مطبوعات

• **نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ کا علمی جائزہ** :از قلم گوہر بار جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

ناشر: الجامعۃ الاسلامیہ' تفہیم القرآن' مردان۔ سفید اچھے کاغذ کے ۱۱۶ صفحات' ٹائٹل دبیز ورنگین' قیمت ۲۰ روپے۔

ابتداء" نفاذِ شریعت کی ایک مسلمان ملک میں اہمیت کا ذکر ہے۔ پھر اس سلسلے کی مساعی کا اور آخر میں نواز شریف صاحب کے دور میں پاس شدہ (اپریل ۱۹۹۱) نفاذِ شریعت ایکٹ کا۔ مولینا گوہر رحمٰن نے اس پر عالمانہ تنقید کی ہے۔ مولینا کا حافظہ ایک ایسا زبردست رجسٹرار ہے کہ ان گنت کتابوں کے حوالے فائیلوں میں تیار رکھتا ہے' اور مولینا جونہی کسی صحابی' محدث' مفسر' فقیہ کی رائے کے ضرورت مند ہوتے ہیں تو ان کا رجسٹرار فوراً وہ حوالہ ان کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس علمی میدان میں وہ اپنے وقت کے بادشاہ ہیں۔

ان کی اس علمی کتاب میں جو نکات اٹھائے گئے ہیں' اور ایکٹ کے جن غلط یا کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے' وہ ہم جیسوں کے لیے علم افزا ہے۔ مجھے اس معاملے میں مولینا اور تمام علما کا بڑا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا نقطہ نظر عرض کرنا ہے۔

سیکولرازم اور اسلام کی جو جنگ بپا ہے' اس میں علما کا کبھی متحد ہو کر اور جذباتی کیفیت سے سرشار ہو کر یہ چاہنا کہ سارا کچھ ایک دفعہ جھولی میں آ جائے' اس میں ناکامی کا نتیجہ بڑا یاس انگیز ہوتا ہے۔ تدریج جو ٹال مٹول کے لیے ہوتی ہے وہ تو حکومتیں اختیار کرتی ہی ہیں' مگر علما کے لیے تدریج دوسری وجہ سے ضروری ہے۔ آج یکے بعد دیگرے کی ترتیب سے اپنے قدم پہلے معین کریں۔ مولینا مودودیؒ کی تحریک نے سارا زور پہلے اس ایک قدم پر صرف کردیا کہ قرار دادِ مقاصد پاس کی جائے۔ بعدازاں دستور میں ترامیم کے وقت علما کو ساتھ لے کر بہت بڑا کام کیا۔ دستوری خاکہ منگایا گیا تو اعلیٰ درجہ کے علما کو جمع کر کے ۲۲ متفقہ اصول طے کر کے حکومت اور قوم کے

سامنے رکھ دیے۔ اسی طرح آگے کے کاموں کو سوچنے کی ضرورت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہر جگہ جہاں نفاذِ شریعت کا مسئلہ آیا وہاں پہلے فوجداری قانون اور سزاؤں کو نافذ کیا گیا۔ حالانکہ مثبت کام کرنے کے بہت سے دروازے کھلے ہیں۔

علاوہ ازیں ضرورت اس بات کی ہے کہ علما محض لفظ شریعت کا وسیع تصور بیان نہ کریں بلکہ عوام میں جا کر اس کے کسی جزو یا پروگرام کی اخروی کے ساتھ دنیوی اہمیت واضح کریں۔ جلسہ ہائے عام میں رکھیں اور جا بجا مضامین لکھیں' مذاکرات کریں اور باقاعدہ عام آدمی کو ساتھ ملائیں جو یہ جانتا ہو کہ کیا لینا ہے اور کیا ملنے والا ہے۔ محض علما کا اپنے مخصوص شعور کی بنا پر آپس میں کبھی خدا چاہے تو اتحاد کر لینا یا پارٹی پالیٹکس کی ضروریات کے تحت کسی جگہ قوتِ حاکمہ یا ایوان کی بھاری تعداد پر اثر ڈال لینا یہ بالکل الگ چیز ہے۔

مثلاً تنخواہوں اور مزدوریوں کے سسٹم پر ایک بحث آپ عوام کے سامنے رکھیں۔ اور بتائیں کہ کتنے تھوڑے سے لوگ تمھارے خزانہ سے کتنا زیادہ مال لیتے ہیں' اور کتنے بے شمار ملازمین نہایت تھوڑے معاوضے پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس مسئلے پر لوگوں کو آپ اسلامی نقطہ نظر کا قائل کرائیں اور ایسی تبدیلی کرائیں۔ یعنی محسوس کیا جائے کہ علما کے پیچھے صرف آمین کہنے والے نہیں بلکہ بیدار شعور رکھنے والے عوام کی قوت جمع ہے۔ اس سے جو اثر قوت حاکمہ' ایوان مقننہ' دائرۂ سیاست' نیز پریس اور نوجوانوں اور محنت کاروں اور ملازمین پر اسلام کے حق میں پڑ سکتا ہے وہ سزاؤں کے نفاذ سے نہیں پڑ سکتا۔ مثبت پہلوؤں سے کام ہو تو لوگ سزائیں بھی سہتے ہیں۔ جو ماں اپنے ہاتھ سے روٹی' مکھن' دودھ اور پھل دیتی ہے۔ وہ کبھی چپت مکہ بھی مار لے تو بچہ سہ جائے گا۔ لیکن خالی چپت مکے کو وہ کیا کرے؟

یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ہمارے ملک میں دین سے انحراف' اور دین کو عقلی طور پر ہوّا اور ماضی کی حد تک قابلِ نفاذ ماننے والوں کی تعداد بہت تیزی سے بڑھی ہے جس کے دل میں علمائے دین کا احترام باقی نہیں۔ ان طبقوں کو بالعموم توسیعِ افکار و دلائل کے ذریعے جب تک کسی چیز کے خلاف یا کسی چیز کے حق میں تیار نہ کیا جائے' معاملات میں چاروں طرف سے رخنہ اندازی اور خردہ گیری ہوتی رہے گی۔ یہ طبقے پریس میں کالجوں کے اساتذہ اور ڈگری کلاسوں کے طلبہ میں ہیں' وکلا میں ہیں' سرکاری افسروں اور ملازمین میں بہت ہیں' عام بنکوں اور تجارتی کمپنیوں میں بہت ہیں' کیا آپ حضرات یا آپ کے نوجوانوں کے ایسے گروپ جو وسیع جدید مطالعہ اور زوردار اسالیبِ بیان سے واقف ہوں' کبھی فرداً فرداً یا وفود بنا کر ان حلقوں میں کام کرتے ہیں۔ کسی چیز کو

قانون کی شکل میں منوانے کے لیے کیا پہلے ان حلقوں میں سال دو سال کام کرنے کا تجربہ ہے۔

یعنی مذہب کو محض اس کے تقدس کی بنا پر مانا جائے' یہ تو وہ مقام ہے جو قلیل التعداد حضرات کو حاصل ہے۔ دوسروں کو مذہب کے ضروری ہونے پر' اس کے زندگی کے لیے مفید ہونے پر' اس کے طرز کو مہلک یا مضر ہونے پر دلائل کی طاقت استعمال کیے بغیر اور دوسروں کو مطمئن کرائے بغیر آپ مذہب کے تقدس کا احساس بھی ان میں پیدا نہیں کر سکتے۔ سو میرا خیال یہ ہے کہ کام کا راستہ تھوڑا سا بدل کر یہ اختیار کرنا چاہیے کہ پہلے معاشرے میں کسی چیز کے لیے شعوری ایمان اور urg پیدا کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ محض اوپر اوپر جوڑ توڑ اور دباؤ کے ذریعے کام کرانا کم مفید ہے۔

افسوس کہ یہ کام بہت کم ہوتا ہے۔

مثلاً سود کا معاملہ ہے۔ آپ نے دس قرآنی آیات اور چوبیس مشہور احادیث کی روشنی میں اپنی کتاب میں پیش کیا۔

ایک شخص اس کا قائل ہو جاتا ہے کہ سود حرام ہے۔ اب وہ آپ سے سوال کرتا ہے کہ جو ادارے اس وقت سود پر چل رہے ہیں' وہ کیا کریں اور فوری متبادل کیا ہے کہ ایک بس خراب ہو گئی تو دوسری بس آگے کھڑی ہو گئی۔ موجودہ کسی بھی بنک کا مسئلہ عملاً یہ ہے کہ لاکھوں روپے' کروڑوں روپے اس نے مختلف پارٹیز کے لے رکھے ہیں۔ اس روپے کو اس نے آگے دس کمپنیوں میں پھیلا دیا ہوا ہے' ان کمپنیوں نے بڑی رقوم مشینری یا خام مال منگوانے میں خرچ کر دی ہیں یا آگے اپنے ذیلی کارندوں (مثلاً سیمنٹ ایجنسیوں) کو مال ادھار دے رکھا ہے۔ ایک ٹوٹنے یا ختم ہونے والے بنک کو اوّل تو اس کے متعلقہ کاروباری پھیلی ہوئی رقمیں جمع کر کے فوراً دے ہی نہیں سکتے' اور دے بھی سکیں تو بند ہونے والے کے کاروبار کا مال تو دریابرد بہت ہوتا ہے اور یہ مال بنک ہی کا نہیں' یہ تو پبلک کا ہے۔

آپ بنکنگ کی اس اسکیم پر بنکرز اور کاروباری طاقتوں کو پہلے مطمئن اور تیار تو کیجیے۔ ان کے پاس جائیے۔ ان کے مذاکرے منعقد کرائیے' خود بڑے بڑے سیمیناروں کا انتظام کیجیے' یہاں تک کہ سودی اسکیم کی طرح "دواور دو چار" کے انداز میں غیر سودی بنک کا فارمولا ہر شخص کو حفظ ہو جائے اور اسے تسلی ہو کہ رقم یہاں ڈوبنے کی نہیں اور کوئی کاروبار رکنے کا نہیں۔

آخر میں مولینا گوہر رحمٰن سے درخواست کروں گا کہ میں نے یہ گفتگو آپ کی ذات کے متعلق نہیں کی' آپ کا بھاری احترام ملحوظ رکھتے ہوئے "نفاذ شریعت" کے قضیے کے بارے میں

اپنے دل کے اضطرابات کو دوسروں کی نمائندگی کے لیے عرض کیا ہے۔ ورنہ میرے نزدیک سود حرام ہے، حرمت کی سب سے شدید قسم ہے، اسی لیے میں تو اس مسلک کا ہوں کہ بیع المرابحہ کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتا کیونکہ حضورؐ نے تاکید فرمائی کہ اگر کسی معاملت میں سود کا اشتباہ بھی ہو یا شائبہ بھی ہو تو اس سے بچو، کیونکہ یہ سب سے سخت حرمت ہے۔ (ن۔ص)

IQBAL THE POET : از قلم جناب ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب، شعبہ انگریزی، پٹنہ یونیورسٹی۔ ناشر: ڈاکٹر وحید قریشی آنریری سیکرٹری بزم اقبال، ۲ کلب روڈ، لاہور۔ سفید کاغذ، خوشنما انگریزی ٹائپ، مضبوط جلد۔ قیمت ۱۰۰ روپے۔

مجھے اقبال کی پرکشش نے نوازی نے اتنا سرمست رکھا کہ کبھی "تنقید بازی" (بازی بازی، باریش باباہم بازی) کی ضرورت، یا جرات نہیں ہوئی بلکہ اقبال کے فکر و فن کی سرشاری میں میری توجہ صرف ان حملوں کی طرف گئی جو اقبال پر نظریاتی محاذوں کے تحت کیے جاتے رہے۔ اس حال میں ڈاکٹر عبدالمغنی پہلی شخصیت ہیں جن کے سامنے آنے سے مجھے اندازہ ہوا کہ مجھ سے زیادہ وسیع مطالعہ علمی اور جائزہ ادبیات مشرق و مغرب کے ساتھ عظیم مگر مظلوم اقبال کے لیے کوئی اور بھی معرکہ آراء ہے۔ ڈاکٹر صاحب اردو میں تو اقبال پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور ان کی طویل نظموں کی تشریح سے مجھے نئی نئی معنویتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ورنہ میں تو بدو قسم کا قلم کار ہوں۔

اس وقت ڈاکٹر صاحب کی مختصر انگریزی کتاب میرے سامنے ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی دوسرے تمام اصحاب یا کتب یا فنونِ تحریر کے بارے میں نہایت متوازن ناقد ہیں اور کسی کمزوری کو نہیں بخشتے، لیکن اقبال کی محفل میں آکر بالکل میری طرح وہ حقائقِ اقبال اور شعرِ اقبال کے طالب علم بن جاتے ہیں۔ ابتدائیہ میں ڈاکٹر صاحب کے ان الفاظ سے اقبال شناسی میں ان کا مقام سمجھیے، لکھتے ہیں:

> بیسویں صدی نے دنیا کی کسی زبان میں اقبال سے بہتر شاعر پیدا نہیں کیا۔ وہ دنیا کے عظیم ترین شعراء کی صف میں مقام رکھتے ہیں۔ اقبال کی دلپذیر شاعری میں تخیل اور ہنر کا ایسا امتزاج ہے جو ان کے قارئین کے دلوں کی گہرائیوں میں سے جوش ابھارتا ہے، نیز وہ ان کے ذہنوں کو منور کردیتا ہے۔ خیال و جمال کی دولتِ معنی کا یہ معیار تاحال مغربی نصف کرۂ ارض میں مکمل اور بلا واسطہ دستیاب نہیں ہے۔ (آزاد ترجمہ)

ان الفاظ کے علاوہ مقامات و احوال کے عنوان کے تحت اور بھی زیادہ پرزور عبارات لکھی ہیں۔

ان جملوں کو آپ کتاب میں تفصیل سے پڑھیں تو ماننا پڑے گا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں توضیحی تنقید کی ہے جو انکشافاتِ معانی اور وضاحت مقاصد سخن کا ذریعہ ہے۔ یہ بھی ایک اہم نوعیت کی تنقید ہے کہ وہ نابغہ زیبائی ہو' صاحبِ شاہ نامہ فردوسی ہو' مثنوی مولائے روم ہو' شکسپیئر کے ڈرامائی ادب پارے اور شعرپارے ہوں اس سے بالاتر ہوتے ہیں کہ آپ ان کی غلطیاں پکڑیں۔ ایسے لوگوں کا مقام یہ ہوتا ہے کہ ان کے نہایت پیچیدہ اور تہ در تہ جہان معنی کے ایک ایک جزو کو سمجھا جائے اور آشکارا کیا جائے۔ خود میرا تجربہ ہے کہ بعض اشعار اور بعض اصطلاحات کو میں کئی برس بعد جاکے سمجھا' اور اب بھی پوری طرح بھروسہ نہیں ہے کہ میں جہانِ اقبال کے ہر کوہ وکاہ کا رمز شناس ہوں۔ ایسے گراں مایہ اربابِ فکر و فن کے لیے صرف توضیحی تنقید مفید ہوتی ہے جو طالب علمانہ انداز میں ہو۔ ورنہ اگر بانگِ دہل قسم کی تنقید میں لکھی جائیں گی تو پھر وہ Gone with the Wind ہو کے رہیں گی۔

ڈاکٹر صاحب اپنے پہلے ہی مضمون میں جنگِ عظیم اوّل سے ۶ سال پہلے کے امپیریلسٹ اقدامات' مشرقی تہذیب کی تباہی اور عالمی فضا میں پائے جانے والے بحران کو محسوس کرکے وہ غزل لکھ چکے تھے جس کا مصرعۂ اوّل یہ ہے کہ ؎

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا

اور جس میں مغربی عقل پرستی اور مادی تہذیب کے لیے خاص طور پر یہ انتہائی شعر کہا گیا ہے کہ

تمہاری تہذیب' اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ' ناپائیدار ہو گا

اسی میں پیش گوئی کی کہ جبریت ختم ہوجائے گی' مادی کمزوری اور قوت کا اہم اثر نہیں رہے گا۔ مختلف مغالطہ ہائے نگاہ غائب ہوجائیں گے۔ حقائق اور چھا جائیں گے۔ انصاف کی قوت چھا جائے گی۔ افادہ پرستی کا زور ٹوٹ جائے گا۔ بالکل بنیادی صداقتیں غالب ہوجائیں گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ آزادی اور فلاح کی طرف رخ مڑ جائے گا۔ میں اس ایک مقام کا اختصاراً ذکر کرکے' اصل ابوابِ کتاب کو قاری کے لیے چھوڑتا ہوں کہ وہ خود پڑھے۔

آئندہ ابواب یہ ہیں۔ "آفاقی زاویہ نظر" "اثر ونفوذ" "پیغام اور ذریعۂ پیغام رسانی" مراد

محض زبان نہیں بلکہ صنفِ بیان ہے۔ "خاص خاص شاہکار نگارشات" "لطیف و باریک جمالیات" (مختصر نظمیں اور قطعات وغیرہ) "غزلوں اور رباعیوں (چو بیتیوں) پر ایک نظر۔"

ان سب میں سے اہم' جامع اور تفصیلی باب خاص خاص نگارشات کا ہے۔ اس باب میں علامہ مرحوم کی طویل اور اہم نظموں کو لیا گیا ہے۔ خاص طور پر متعدد طویل نظموں کا واقعاتی توضیحات کے لحاظ سے الگ تجزیہ ہے اور فنی محاسن اور معانی کی وسعتوں اور خاص خاص اشاروں کے لحاظ سے الگ گفتگو ہے۔ ان نظموں کے نام "شمع و شاعر" "شکوہ و جواب شکوہ" "خضرِ راہ" "طلوعِ اسلام" "مسجدِ قرطبہ" "ساقی نامہ" "فرشتے آدم کو بہشت سے رخصت کرتے ہیں اور روحِ ارضی استقبال کرتی ہے" "تسخیرِ فطرت" "محاورہ مابین خداوند و انسان" "جوئے آب" "حدی" (نغمہ سارہانِ حجاز)۔

یوں تو حکیم الامت کی شاعری کا ہر حصہ اپنے اندر مخصوص نوادر رکھتا ہے' محض تکرار ان کا طریق نہیں ہے۔ بعض متذکرہ نظموں کے متعلق بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اقبال کے مدرسہ فکر کی حکمت کی ہر ضروری بات ان میں آگئی ہے اور ہم اقبال کے سوزوساز اور اس کے مکمل پیغام اور مقاصد کا بآسانی شعور حاصل کرسکتے ہیں۔ بیشتر ان نظموں کا اصل سانچہ غزل کا ہے' یعنی ہر نظم مختلف مربوط غزلوں کا مجموعہ ہے۔ پھر ان میں ماضی کی یادیں' حال کے کرب اور مستقبل کی امیدیں سموئی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے ان میں خصوصی خطاب پائے جاتے ہیں۔ اور ان نظموں کی تخلیق کے زمانوں کے فرق کے باوجود ان کے لیے اقبال کا مردِ مومن' اقبال کی خودی اور اقبال کا شاہین جگہ جگہ محسوس ہوتا ہے۔ میرا خیال ناقص یہ ہے کہ اگر ان نظموں کو پوری طرح سمجھ کے پڑھ لیا جائے تو قاری اقبال کے جہان سوزوساز' جہان تخلیق اور جہان آرزو کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

یہ ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب کا بڑا احسان ہے کہ انھی نظموں کی پردہ کشائی اردو میں بھی کی ہے اور انھی کو اب انھوں نے انگریزی خواں طبقے کے لیے بھی "خم زندگی کشادم" کا سماں پیدا کردیا ہے۔

(ن - ص)

بقیہ بر صفحہ ۳۴